Sociology & Cultural Research Review (SCRR)
Available Online: https://scrrjournal.com
Print ISSN: 3007-3103 Online ISSN: 3007-3111
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

AN ANALYTICAL STUDY OF MANAZIR AHSAN GILANI'S SCHOLARLY CONTRIBUTIONS AND INTELLECTUAL LEGACY

مناظر احسن گیلانی کی علمی خدمات اور افکار کا تحقیقی مطالعہ

Dr. Rab Nawaz
Post-Doctorate Fellow at Islamic Research Institute,
International Islamic University, Faisal Masjid Campus,
Islamabad, Pakistan
rab.nawaz@hitecuni.edu.pk

ABSTRACT

The twentieth century holds great significance in the history of the Indian subcontinent, particularly for the Muslim struggle for independence and the preservation of a distinct identity. Among the leading intellectuals and reformers of this era was Manazir Ahsan Gilani (1892–1956), a prominent Islamic scholar born in Bihar, educated in Tonk and Deoband, and later a distinguished teacher at Osmania University, Hyderabad. His contributions to Islamic sciences especially the Qur'an, Hadith, and Seerah left a lasting impact on generations of modern-educated students. This study explores Gilani's scholarly services and distinctive thoughts, analyzing the unique features of his views that often diverged from the consensus (jumhoor) of scholars. The core objectives include highlighting his academic and religious efforts, comparing his views with mainstream scholarly positions, and investigating the methods of reconciliation and preference in cases of divergence. While prior research has been conducted on various aspects of Gilani's life such as his approach to comparative religion, biographical writing style, exegetical notes on Surah Al-Kahf, and his role in modernizing Islamic studies this work stands out by presenting a comprehensive and critical analysis of his intellectual contributions in relation to the broader scholarly tradition. This research fills a critical gap by delving into the nuances of Gilani's thought, offering insights into the compatibility and distinctions between his views and those of traditional scholars. It aims to underscore the importance of his legacy in shaping contemporary Islamic thought in South Asia and beyond.

***Keywords**: Manazir Ahsan Gilani, Islamic Scholarship, South Asian Intellectual History, Hadith, Seerah, Qur'anic Exegesis, Scholarly Divergence, Muslim Reformers, Twentieth Century India, Deoband Tradition.*

مقدمہ:

بیسویں صدی عیسوی برصغیر کی آزادی اور مسلمانانِ ہند کے جداگانہ تشخص کے حوالے سے ہمیشہ یادرکھی جائے گی۔ اس آزادی کی جدوجہد میں مسلم مفکرین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ساتھ ساتھ مسلمانوں کی فکری نشوونما کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ انہی مفکرین میں ایک نمایاں نام مناظر احسن گیلانیؒ کا ہے، جو بہار میں ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے، ٹونک میں تعلیم پائی، دیوبند میں علم کی تکمیل کی اور جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ انہوں نے ہزاروں جدید تعلیم یافتہ طلباء کے اذہان کو اسلامی علوم سے روشناس کرایا۔ مولانا گیلانیؒ نے قرآن، حدیث، سیرت نبویؐ اور دیگر موضوعات پر نہایت مفید کتابیں تصنیف کیں اور اپنی تمام عمر درس وتدریس میں گزاری۔ اس مقالے میں مولانا گیلانیؒ کے نمایاں افکار وخدمات پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے گا تاکہ برصغیر کے اس جید مفکر کی علمی کاوشوں کو اجاگر کیا جاسکے۔

سوالاتِ تحقیق:

1. کن مسائل میں سید مناظر احسن گیلانیؒ کے جمہور سے الگ تفردات موجود ہیں؟
2. مناظر احسن گیلانیؒ اور جمہور کے آراء میں تطبیق وترجیح کی صورتیں کیا ہوں گی؟

مقاصدِ تحقیق:

- مناظر احسن گیلانیؒ کی علمی ودینی خدمات اور افکار کو اجاگر کرنا۔
- ان کے تفردات وترجیحات کو جمہور کے آراء سے تقابل کے ساتھ پیش کرنا۔
- ان کے افکار اور جمہور کے درمیان تطبیق وترجیح کے امکانات کا جائزہ لینا۔

سابقہ تحقیقات کا جائزہ:

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی شخصیت پر متعدد تحقیقی مقالات اور علمی کاوشیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ ان میں چند درج ذیل ہیں:

1. سعاد عباس بنت محمد عباس، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد میں اپنے مقالے "مولانا مناظر احسن گیلانی کا منہج تقابل ادیان اور نقطۂ نظر" میں مولانا کے تقابلی ادیان سے متعلق خیالات کو واضح کیا۔[1]
2. محمد عبداللہ، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان کے ایم فل سکالر نے "مولانا شبلی نعمانی اور مناظر احسن گیلانیؒ کی سوانح نگاری کا تقابلی جائزہ" پیش کیا۔[2]
3. ظہور عالم، محی الدین اسلامی یونیورسٹی، نیریاں شریف، آزاد کشمیر کے سکالر نے "مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے افکار اور دینی خدمات" کے عنوان سے تحقیقی کام کیا۔[3]
4. حنا نسیم، شیخ زید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب، لاہور کی سکالر نے "مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے تفسیری نکات" کے موضوع پر سورۂ کہف کی روشنی میں کام کیا۔[4]
5. امان اللہ راٹھور، جامعہ پنجاب، لاہور کے سکالر نے "علوم اسلامیہ کی تشکیل جدید میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا کردار" کے موضوع پر قلم اٹھایا۔[5]

راقم نے "مناظر احسن گیلانی کی علمی خدمات اور افکار کا تحقیقی مطالعہ" کے عنوان سے تحقیق کی ہے جس میں مولانا کے تفردات کو جمہور آراء کے ساتھ تطبیق اور تقابل کے انداز میں پیش کیا جائے گا۔

خاندانی پس منظر:

مولانا گیلانیؒ کے آباواجداد ابتدا میں مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے واسط، مشہد، بغداد اور بالآخر گیلان (ایران) کے راستے ہندوستان تشریف لائے۔ ان کے والد کا نام حافظ ابوالخیر اور دادا کا نام محمد احسن تھا، جو مولانا کی پیدائش سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ یہ ایک علمی گھرانہ تھا۔ آپ کے چچا حکیم ابوالنصر اور والد حافظ ابوالخیر کی زیر نگرانی آپ کی تربیت ہوئی۔ چچا ابوالنصر نہ صرف عالم دین بلکہ ماہر حکیم بھی تھے اور والد کی جگہ آپ کی علمی سرپرستی کرتے رہے۔

علاقہ:

مولانا کے آباواجداد کا تعلق اترپردیش کے شہر کانپور کے نواح میں واقع "گیلانی" نامی گاؤں سے تھا۔ مولانا خود اس گاؤں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ وہی گیلانی ہے جس کی طرف خاکسار اپنے نام کی اضافت کرتا ہے۔ فقیر کا مولد ومنشا بہار کا یہی گاؤں ہے جس کی آبادی بمشکل پانچ چھ سو ہوگی۔"[6]

پیدائش اور ابتدائی تعلیم:

مولانا گیلانیؒ ۹ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ بمطابق یکم اکتوبر ۱۸۹۲ء کو اپنے ننھیال، "ستھانواں" ضلع نالندہ، بہار میں پیدا ہوئے۔ ان کا پیدائشی نام "مناظر احسن" تھا۔

دورِ اول:

یہ دور مولانا کے آبائی علاقے گیلانی میں گزرا۔ تعلیم وتربیت کی ذمہ داری چچا حکیم سید ابوالنصر نے سنبھالی۔ اسی دور میں قرآن مجید کی ناظرہ تعلیم، فارسی، اردو اور ابتدائی عربی علوم حاصل کیے۔ چچا کی خصوصی توجہ کے باعث علمی کمزوری کا کوئی پہلو باقی نہ رہا۔ یہ دور ۱۸۹۲ء سے ۱۳۳۱ھ / ۱۹۰۶ء تک محیط ہے۔

دورِ ثانی (1324ھ / 1906ء – 1331ھ / 1913ء)

مولانا گیلانیؒ کا دوسرا تعلیمی دور 1324ھ / 1906ء سے لیکر 1331ھ / 1913ء تک جاری رہا، جو کہ تقریباً سات سال پر مشتمل تھا۔ اس دور میں انہوں نے معقولات (منطق وفلسفہ) کی تعلیم پر زیادہ توجہ دی، کیونکہ ہندوستان کے بعض علاقے معقولات کی تعلیم کے حوالے سے مشہور تھے۔ انہی میں ضلع ٹونک بھی شامل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا گیلانیؒ نے دوسرا دور ٹونک میں گزارا اور مدرسہ خلیلیہ میں معقولات ودیگر فنون کی تعلیم حاصل کی۔ اس دور میں حضرت مولانا حکیم سید برکات احمدؒ اور حضرت مولانا محمد اشرفؒ، فنونِ عقلیہ کے ماہرین سمجھے جاتے تھے۔ انہی سے مولانا گیلانیؒ نے شمس بازغہ، صدرا، شیرازی، قوشجی مع حواشی، قاضی، دوانی، صدرالدین، ایساغوجی، حمداللہ وغیرہ جیسی کتابیں ذوق وشوق سے پڑھیں۔ اسی دور میں انہوں نے عربی ادب، علمِ ہندسہ اور ریاضی بھی مولانا اشرفؒ سے پڑھی، جو معقولات کے ماہر عالم تھے۔[9]

مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں:

خاکسار نے مولانا مرحوم سے بہت فائدہ اٹھایا، عربی ادب کی نصابی کتابیں، حریری، متنبّی، حماسہ، معلّقہ، سب انہی (مولانا اشرف) سے پڑھا اور ریاضی، ہیئت اور ہندسہ کی کتابیں بھی انہی سے پوری پڑھا۔"[10]

مولانا اپنے دوسرے تعلیمی دور میں اپنے اساتذہ اور مدرسہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حضرت حکیم (مولانا برکات احمد) صاحب پر جہاں منطق وفلسفہ کا ذوق غیر معمولی مسلّط تھا، وہیں جدید اخباری ادبیات کے مخالف تھے، وہ ان چیزوں کو سطحیّت قرار دیتے تھے، اور یہ ناگزیر تھا کہ ان کا کوئی طالب علم اخبار نہ دیکھے، ناول نہ پڑھے اور جدید اردو ادب کے مصنفین کی سطحی کتابیں مطالعہ نہ کرے۔"[11]

دورِ ثالث (1331ھ / 1913ء – 1332ھ / 1914ء)

مولانا کا تیسرا تعلیمی دور دارالعلوم دیوبند میں گزرا، یہی وہ دور تھا جس میں مولانا کی صلاحیتوں میں نکھار آیا اور انہوں نے اپنے وقت کے جید اساتذہ سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ یہ دور شوال 1331ھ / 1913ء سے شعبان 1332ھ / 1914ء تک جاری رہا۔ دارالعلوم میں داخلے کا امتحان سخت ہوتا تھا۔ مولانا گیلانیؒ اپنے امتحان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"دارالعلوم دیوبند میں داخلہ فارم جمع کرانے کے بعد حضرت انور شاہ کشمیریؒ صاحب (جو اس سال ممتحن تھے) نے امتحان

لیا۔ بقول مولانا گیلانیؒ جب انہوں نے سوال پوچھا ('العلم المتجدد' کی تعریف جو میر زاہد نے کی ہے) تو شاہ صاحب کے چرچے عام ہونے کی وجہ سے اتنا رعب و دبدبہ طاری ہوا کہ حواس باختہ ہوا... چار و ناچار منہ سے کچھ بے تکی باتیں نکلیں۔ ایک دو سوالات کے بعد یہ مرحلہ تمام ہوا۔ مایوسی کی حالت میں اٹھا کہ واپسی کا پروانہ تھما دیا جائے گا، مگر حکیم منتظر حسن صاحب نے آکر خوش خبری دی کہ دورہ حدیث میں آپ کا داخلہ منظور ہو چکا ہے۔"[12]

دارالعلوم کے داخلہ امتحان میں کامیابی کے بعد بیس شوال 1331ھ سے اسباق کا آغاز ہوا۔ مولانا گیلانیؒ ہر سبق کو قلم بند کرنے کے عادی تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے محبوب استاد حضرت انور شاہ کشمیریؒ کی احادیث اور تقریریں ضبط کرنی شروع کیں، جو بعد میں "حیاتِ انور" کے نام سے شائع ہوئیں۔[13]

وہ اپنی کتاب تذکرہ احسن میں فرماتے ہیں:

حضرت الامام الکشمیریؒ کی تقریروں کے قلم بند کرنے کا ارادہ اس فقیر سے پہلے شاید ہی کسی نے کیا ہو۔"[14]

دارالعلوم دیوبند میں قیام کے دوران وہ حضرت شیخ الہندؒ کی محبت اور حوصلہ افزائی کے سبب روحانی اصلاح کی جانب مائل ہوئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ "احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن" ان کی ایک یادگار تصنیف ہے جس میں انہوں نے طالب علمی کے دور اور دارالعلوم کے حالات و واقعات کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

" کبھی کبھی فقیر بھی شب کاری کی اس مہم میں اس ٹولی کے ساتھ رات رات بھر کھیتوں اور میدانوں میں بھٹکتا پھرتا تھا، مگر اس ٹولی کا سب سے زیادہ عضو ضعیف شمار کیا گیا۔"[15]

اس دور کے مشہور اساتذہ:

- شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ
- مولانا میاں سید اصغر حسینؒ
- سید انور شاہ کشمیریؒ
- مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ
- مولانا حسین احمد مدنیؒ
- حضرت مولانا غلام رسولؒ
- حضرت مولانا گل محمد خانؒ
- مولانا حکیم احمد حسن

مولانا گیلانیؒ کی تحاریر کی اسلوبی خصوصیات

مولانا گیلانیؒ کو اللہ تعالیٰ نے قلم کی روانی اور ذہن و فکر کی بلند پروازی عنایت فرمائی تھی، آپ نے بلاشبہ سینکڑوں موضاعات پر قلم اٹھایا اور اپنی تحقیقات کو سپرد قلم کیا۔[15] آپ نے جس موضوع اور عنوان پر قلم اٹھایا اس کا حق ادا کیا۔ آپ کا قلم جب کسی بھی موضوع پر صفحات قرطاس پر پھیلتا تو قارئین کو اپنی گرفت میں یوں لیتا ہے کہ کسی نے سحر طاری کر دیا ہو اور تحریر کی روانی یوں ہے کہ جیسے سمندر جوش مار رہا ہے۔[16] مولانا گیلانیؒ کے ذہن میں قدیم و جدید دونوں طرح کے مواد اور معلومات کا بڑا ذخیرہ جمع رہتا تھا جسے آپ اپنے انداز میں تحریر میں لاتے تھے۔ جب لکھنے بیٹھتے تو لکھتے چلے جاتے اور گھنٹوں گھنٹوں تک لکھتے رہتے۔[17] آپ کی کوئی تصنیف بھی باضابطہ تصنیفی پروگرام کے تحت انجام نہیں پائی، جب دل میں کوئی موضوع آیا تو اس پر قلم اٹھایا اور مضمون سے بڑھ کر کتاب کی صورت اختیار کر جاتی، یا پھر کالج کے لیکچر کی تیاری یا ایم اے اور پی ایچ ڈی کے طلبہ کے مقالات کی رہنمائی کے لیے مختلف موضاعات پر ان سے تبادلہ خیالات کرتے جو کتابی شکل اختیار کر جاتی۔[18] تاہم جب طبیعت کا میلان لکھنے کو نہ ہوتا تو کئی کئی ہفتے گزر جاتے مگر قلم نہ اٹھتا۔[19]

مولانا گیلانیؒ کی تحریری مزاج کے بارے میں مولانا عبدالباریؒ لکھتے ہیں:

"مولانا کے لکھنے کا بھی یہی حال تھا کہ نہ لکھتے تو مہینوں سالوں کچھ بھی نہ لکھتے، اور جب لکھنے پر آجائیں تو دن رات ایک کر دیتے، رات بھر پلک نہ جھپکاتے، پہلو میں تکیہ دبائے نیم دراز پلنگ پر ہی لیٹے لیٹے اور اکثر پنسل ہی سے ہفتوں کیا دنوں میں سینکڑوں صفحات کی کتاب پوری لکھا کرتے تھے"۔[20]

سید ابو الحسن علی ندویؒ حضرت گیلانیؒ کی تحریر پر تبصرہ درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

"کچھ مولانا کی افتاد طبع اور شاید خاندانی نرمی اور کچھ جامعہ عثمانیہ کے طویل تعلق اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور نئی نسل کے مسلسل سابقہ نے مولانا کی تحریر و تعبیر میں جدید ذہن کی رعایت اور دینی حقائق کے بیان کرنے میں حکمت و تدریج کا پہلو غالب کر دیا تھا اور وہ گویا 'کلّمو النّاس علی قدر عقولھم' کے مشورے پر عمل فرماتے تھے، اور اس کو 'اُدعُ الی سبیل ربّک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ' کی تعمیل خیال فرماتے تھے، وہ اپنے عقائد و خیالات اور علم میں پورے راسخ اور متصلب تھے۔ لیکن اپنے طرز بحث اور طرز تحقیق و استدلال میں بالکل عصری، از قول سید سلیمان ندویؒ، وہ دیوبندی العلم مگر ندوی الفکر یا ندوی القلم تھے۔"[21]

مولانا علی میاں ندویؒ آپ کے تحریری مزاج کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

"مولانا گیلانی کا یہ توسع اور ان کی تمام عصریت و حکمت تحریر و تعبیر اور استدلال ہی میں تھی۔ عقائد و نصوص اور حدود دین کے بارے میں وہ اتنے ہی سخت اور متشدد ہوتے تھے اور ویسے ہی غیور و حساس واقع ہوئے تھے، جیسے ان کے اساتذہ و شیوخ کرام اور علمائے حق۔ جب کبھی وہ تحریف دین کی کوئی کوشش یا دین کی ترجمانی میں کوئی بے اعتدالی یا آزادی یا غلط اجتہاد دیکھتے تو آپ وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے"۔[22]

مولانا ندویؒ آپ کی تصانیف اور علمی کاموں پر تبصرہ کرتے ہیں:

"یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ وسعتِ نظر، وسعتِ مطالعہ، رسوخ فی العلم اور ذکاوت میں آپ کی نظیر اس وقت ممالک اسلامیہ میں ملنی مشکل ہے، والغیب عند اللہ، تصنیف و تالیف کے لحاظ سے وہ عصر حاضر کے عظیم مصنفین میں شمار کیے جانے کے مستحق ہیں۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں جو مواد جمع کر دیا ہے وہ بیسوں آدمیوں کو مصنف اور محقق بنا سکتا ہے۔ اس ایک آدمی نے تن تنہا وہ کام کیا ہے جو یورپ میں پورے پورے ادارے اور منظم جماعتیں کرتی ہیں۔ ان جیسا آدمی برسوں میں نہ پیدا ہوا تھا اور نہ اب ان جیسا آدمی شاید برسوں میں بھی پیدا ہو"۔[23]

آپ کی تحاریر کا مطالعہ کیا جائے تو چند خصوصیات ابھر کر سامنے آتی ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

پہلی خصوصیت :آپ کی تحاریر علمی ہونے کے ساتھ سلیس، بامعنی اور پر مغز ہوتی ہیں، قاری کو علمی موشگافیوں اور لفاظی کے بجائے نفسِ مضمون کی طرف توجہ دلاتی ہیں۔ آپ کی کوشش ہوتی ہے کہ آسان سے آسان انداز میں مضمون کو قاری کے ذہن میں بٹھایا جائے۔[24]

دوسری خصوصیت :آپ کی تحاریر ابتدا سے ہی قارئین کو اپنی گرفت میں لیتی ہیں۔ دیگر مضمون نگاروں کی طرح آپ زیادہ تمہیدی باتوں میں وقت ضائع نہیں کرتے بلکہ ایسا اسلوب اختیار کرتے ہیں کہ قاری اس مضمون کو پورا پڑھنے پر خود مجبور ہو جاتا ہے۔ کبھی تو قاری کو مضمون کی ابتدا سے ہی یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ مضمون ابتداء سے نہیں بلکہ درمیان سے پڑھنا شروع کر رہا ہے۔ مثلاً" وفا شعاری کے دو نادر نمونے "میں آپ نے مضمون درج ذیل الفاظ سے شروع کیا:

"حجاج مروانی منصب حکومت سے منسلک ہونے سے پہلے ایک مکتب میں پڑھایا کرتا تھا لیکن اس کی آمدنی اس کی ضروریات کے لیے ناکافی تھی، تو اس نے وہ نوکری چھوڑ دی اور دمشق آگیا اور وہاں پر ان کو حکومتِ وقت عبد الملک کے ایک وزیر کے باڈی گارڈ کی نوکری مل گئی اور وہیں سے اس کی ترقیوں کا دروازہ کھل گیا"۔[25]

تیسری خصوصیت :مولانا گیلانیؒ کی تحاریر کی دوسری خوبی یہ ہے کہ آپ اپنے مضامین میں مذکور ذیلی عنوانات پر بھی بھرپور توجہ دیتے ہیں، اور ان ضمنی عنوانات کو بھی باقاعدہ دلائل کے ساتھ مدلل کرتے ہیں، جسے پڑھنے والا یوں سمجھتا ہے کہ شاید یہ اصل موضوع ہو۔[26]

چوتھی خصوصیت :مولانا گیلانیؒ کی تحاریر کی ایک اسلوبی خوبی یہ ہے کہ آپ کی تحاریر روانی کے ساتھ ساتھ آپس میں باہم مربوط ہوتی ہیں کہ پڑھنے والے کو تحریر کے مختلف مضامین میں اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ قاری کو کہیں بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ مولانا نے دوران تحریر اسلوب یا دلائل کا انداز بدل دیا ہو۔[27]

پانچویں خصوصیت :مولانا گیلانیؒ کے طرزِ تحریر کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ ان کی تحاریر اور مضامین کے جملے بے ساختہ ہوتے ہیں۔ قاری کو کبھی محسوس نہیں ہوتا کہ صاحبِ مضمون محض تصنع کے ساتھ یا تکلفاً لکھ رہے ہوں۔ بعض اوقات ان کی تحریر کے جملوں میں ترتیب کی رد و بدل نظر آتی ہے یا جملہ معترضہ درمیان میں آ موجود ہوتا ہے۔ بعض جملے مکمل ہونے کے باوجود اپنے مفہوم کی ادائیگی کے لیے قاری کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اسے مکمل طور پر آگے پڑھے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا گیلانیؒ کو بہت سے اوصاف سے نوازا تھا، جہاں ایک طرف درس و تدریس کے مسند کے شاہ سوار تھے، وہیں دوسری جانب آپ تقریر و تحریر میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ شاذ و نادر ان اوصاف و کمال کا مجموعہ کسی ایک شخص کی ذات میں اکٹھا ہوتا ہے۔ تصنیف و تالیف کا ایک وسیع ذخیرہ آپ نے اپنی علمی وراثت میں چھوڑا، آپ جب کسی موضوع پر قلم اٹھاتے تو اس کا حق ادا کر کے ہی دم لیتے، اور اس موضوع پر اتنا علمی سامنے آتا کہ بظاہر ایک مضمون سے ابتدا اور ایک مستقل تصنیف کی صورت میں اس کا وجود سامنے آتا۔ مولانا گیلانیؒ اپنی اس تصنیفی کیفیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ایک دفعہ شوق میں لکھنے بیٹھ جاتا تو لکھتا چلا گیا، اب پھر اُس پر نظر ثانی، سدباب و اصلاح کرنا میرے لئے مشکل ہے۔"[28]

"القاسم والرشید" میں یوں تو مولانا گیلانیؒ نے سینکڑوں مضامین لکھے ہیں، تحریر کی طوالت کے پیش نظر آپ کے اکثر مضامین تین چار اقساط میں شائع ہوتے، آپ کی تحریر کا آغاز ایک مضمون "خیر الامم کے طغرائے امتیاز" سے ہوا۔ جو بعد میں "دیوبند" کے رسالے "القاسم" میں شائع ہوا۔ مولانا گیلانیؒ کے مضامین اور مقالات کی تعداد سینکڑوں میں ہے لیکن ذیل میں آپؒ تحریرات کا وہ ذخیرہ جو آپ کی حیات میں یا بعد میں تصنیف یا تالیف کی شکل میں مرتب ہوا ہے ان میں سے چند اہم مضامین کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

آپ کے مضامین میں سے چند مضامین کے عنوانات یہ ہیں:

1. قرآن کے طرز استدلال پر سرسری نظر
2. مسئلہ جذب و کشش پر ایک تنقیدی نظر
3. خوارق عادات کے وقوع پر یورپ کی بعض شہادتیں
4. نام و نسب اور کنیت پر اسلامی تعلیمات کا اثر
5. شیخ ابن عربی اور مسئلہ اتحاد وصول
6. الریاضۃ الجسمانیہ
7. جدید اصول فقہ
8. دامغات الاغلوطات
9. واقعہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
10. بابا رتن ہندی

SCRR

مولانا گیلانی محبت رسول ﷺ میں فنا تھے، یہ اساتذہ اور خاندان کی تربیت کے اثرات تھے کہ آپ شرعی تعلیمات اور آپ ﷺ کی فرامین پر جان و دل سے جانثار تھے۔ جامعہ عثمانیہ میں آپ نے احادیث کے علم پر چار لیکچر دیئے جس میں معترضین کے اعتراضات کا احاطہ کیا تھا، آپ کے زندگی کے آخری ایام میں اور 1956ء میں مجلس علمی کراچی نے اس کو ایک "تدوین حدیث" کے نام سے چھاپا۔ "تدوین حدیث" کے عنوان پر لکھی گئی کتاب سے بخوبی یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اس کتاب میں مولانا گیلانیؒ نے معترضین کے اعتراضات کا احاطہ کیا ہے، احادیث کے اختلافی پہلوؤں پر بھی مدلل روشنی ڈالی گئی ہے، مولانا کے مطابق احادیث کے اختلافات کی بھی وہی حیثیت ہے جو حیثیت قرآن کریم کے قرأت کو حاصل ہے کہ اس اختلاف کے باوجود قرآن کریم کی حقانیت اور اس کی مشروعیت پر کوئی اثر نہیں مرتب ہوتا۔ ایسا ہی احادیث میں الفاظ اور احکام کے اختلاف کے باوجود اس کی مشروعیت اور آئینی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، غرض اس کتاب میں آپ نے معترضین کے تمام شکوک و شبہات کی بیخ کنی کی اور تسلی بخش جوابات دیئے۔[31]

سید سلیمان ندویؒ "اس کتاب کے ابتداء میں لکھتے ہیں":

"اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا، اس کی کھلی شہادت اس سے ملتی ہے کہ صحابہ کے آخری زمانہ سے اس وقت تک سیکڑوں چھوٹے بڑے بدعتی فرقے پیدا ہوئے، جنہوں نے اسلام کے چاند پر خاک ڈالنے کی کوشش کی اور اسلام کے منور کو مکدر کر دینا چاہا، مگر اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے لوگوں کو پیدا کیا جنہوں نے بتائید غیبی ان کی ساری آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا اور ان کے بدعات کے گرد و غبار کو ہٹا کر اس آئینے کو ہمیشہ روشن رکھا۔ اس زمانہ میں اس قرض کو ادا کرنے کے لئے جو دستہ آگے بڑھا اس کے ہر اول میں ہمارے دوست، مناظر اسلام، متکلم ملت، سلطان القلم مولانا سید مناظر احسن گیلانی کا نام نامی ہے، جن کے قلم کی روانگی اسلام کی محافظت میں تیغ رانی کا کام دیتی ہے۔"[32]

سیرت و سوانح نگاری:

عبد المجید قریشی جو "ایمان" اخبار کے ایڈیٹر اور جدید تحریک سیرت کے بانی تھے، انہوں نے سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر دنیائے اسلام کے مشاہیر سے مقالات اور مضامین لکھوائے، مولانا گیلانیؒ نے بھی ان کی تحریک پر سیرت کے موضوع پر ایک مقالہ لکھا جو ایڈیٹر ایمان نے اپنے اخبار میں شائع کیا، کچھ ترامیم و اصطلاحات کے بعد یہی مقالہ "النبی الخاتم ﷺ" کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔

"النبی الخاتم ﷺ" کے متعلق مولانا ابو الحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

میں نے اپنی زندگی میں سیرت نبوی پر "رحمۃ اللعالمین"، قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور "النبی الخاتم" سے زیادہ مؤثر کتاب نہیں پڑھی، کتاب پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف علم و انشاء پردازی کی خوبی نہیں ہے"۔ اس کے اندر ان کا سوز دروں اور خون جگر بھی شامل ہے اور واقعہ بھی یہی ہے:

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت، معجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود"[32]۔

سیرت کے عنوان پر مولانا کا ایک اور مختصر کتابچہ ظہور نور یا میلاد نامہ کے نام سے اسلامی پبلشر سوسائٹی حیدر آباد نے شائع کیا تھا۔

سوانح ابو ذر غفاری:

یہ آپ کی طالب علمی دور کی تصنیف ہے، آپ نے ابتدا اس کتاب سے کی تھی، اس میں آپ نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ کی حیات مبارکہ کا جائزہ لیا اور ان کے معاش کا بطور خاص ذکر کیا۔ شروع میں یہ مضمون "رسالہ القاسم" میں متعدد اقساط میں (ربیع الاول 1334ھ) کو شائع ہوا، اس مضمون کو کتابی شکل میں ستمبر 1945ء لایا گیا[33]۔

امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی:

امام ابو حنیفہؒ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر محققین نے قلم اٹھایا ہے، اسی میں آپ کی سیاسی زندگی بھی ہے، اگرچہ اردو زبان میں اس عنوان پر بھی کئی کتابیں موجود ہیں۔ تاہم مولانا کی یہ کتاب ان سب میں نادر اور دوسروں سے مختلف ہے، جس میں امام ابو حنیفہؒ کے سوانح، تاریخی، سیاسی اور علمی نکات سے بحث کی ہے اور پیش کیا ہے کہ دستور اسلامی اور حکمرانی کے فرائض پر بھی گہری نگاہ رکھنے والے صاحب بصیرت انسان و رہنما تھے۔ یہ کتاب سب سے پہلے (جمادی الاول 1329ھ) میں کراچی سے نفیس اکیڈمی نے شائع کی ہے[34]۔

سوانح قاسمی:

مولانا قاسم نانوتویؒ کے سوانح اور خدمات پر مولانا گیلانیؒ نے قلم اٹھایا اور نانوتویؒ کے زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی، یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل تھی جس کا چوتھا حصہ بوجہ بیماری مکمل ہونے سے رہ گیا تھا۔ کتاب کا ابتدائی حصہ 1354ھ میں لکھا گیا، تاہم حصہ دوم و سوم میں کافی تاخیر ہوئی، اس کا آخری حصہ 1375ھ میں منظر عام پر آیا۔ اس کے علاوہ سیرت بانی دار العلوم کے عنوان سے بھی ایک تصنیف ہے یہ آپ کے وہ مضامین ہیں جو "رسالہ دار العلوم" کے ابتدائی شماروں 1941–42ء میں شائع ہوئے تھے[35]۔

تذکرہ شاہ ولی اللہ:

اس کتاب میں مولانا گیلانیؒ نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دور کے حالات، آپ کی زندگی اور اعمال و افکار، آپ کی لڑائیاں، ان کی وجوہات، نتائج اور آپ کی خدمات و پیغامات پر تفصیل روشنی ڈالی ہے۔ ایک سو تینتیس صفحات پر مشتمل یہ مقالہ الفرقان میں شاہ ولی اللہ نمبر سے محرم 1360ھ بمطابق / فروری 1941ء میں شائع ہوا، پھر نظم و نثر میں کئی مفید اضافے کے ساتھ 1947ء میں حیدر آباد انڈیا سے کتابی شکل میں شائع ہوا، پاکستان میں بھی یہ کتاب کراچی نفیس اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے[36]۔

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی اس کتاب پر تبصرہ درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

11. حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
12. مذہب کی ضرورت
13. الشہب والقرآن
14. یہودیوں کی سازش
15. توحید القرآن
16. دیوان العرب یا دیوان حماسی
17. میرے خواب
18. اہل دنیا کی اصلاح
19. عمر الدنیا
20. اخلاف سے فائدہ حاصل کرنے کا جدید طریقہ

مولانا گیلانیؒ نے جب تصوف پر اپنا قلم اٹھایا، اور اس کے متعلق مضامین لکھے تو وہ اس کمال علم، گہرائی اور وسعت پر مبنی تھے کہ بعض لوگوں نے آپ کو ان مضامین کی روشنی میں "رمز مزاج صوفی" قرار دیا۔ آپ نے تصوف کے موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی جو "مقامات احسانی" کے نام سے موسوم ہے، اس موضوع پر مولانا گیلانیؒ کے مضامین کے عنوانات درج ذیل ہیں:

1. علم کلام اور تصوف کا صحیح مقام
2. تقریظ مراقبات
3. کائنات روحانی
4. اکابر تصوف کا تصوف
5. سچی باتیں
6. اختلاف سلاسل کی حیثیت
7. طریقہ غزالیہ
8. تصوف کے دو طریقے
9. ابن تیمیہؒ کا نظریہ مخدومیت
10. طریقہ اشتغال مطلقہ یا اطلاقی تصوف
11. مجالس الشیخین یا دل کا چین

مذکورہ بالا مضامین کے علاوہ بھی بہت سے موضوعات پر تحاریر موجود ہیں، ان میں سے تصوف کے عنوان پر چھ مقالات ایک کتاب کی شکل میں اکٹھے بھی شائع ہوئے، اس کے علاوہ مولانا گیلانیؒ کی مستقل تصانیفی خدمات جن سے امت کو بہت فائدہ ہوا، درج ذیل ہیں:

قرآنیات:

تدوین قرآن:

ہر مسلمان کی طرح مولانا گیلانیؒ کو بھی قرآن پاک سے خاص لگاؤ تھا، اسی وجہ سے آپ کی مجالس قرآن کریم کی تلاوت، معانی اور تدبر قرآن سے آباد رہتی تھیں، آپ نے نہ صرف قرآن کے مطالب اور مفاہیم کو آسان اور علمی انداز میں اپنے تقاریر کا محور و مرکز بنایا بلکہ جو لوگ قرآن کریم پر اعتراضات کیا کرتے تھے، ان معترضین کے اشکالات کو سنجیدگی سے لے کر آپ نے اس کے علمی جوابات دیئے، "تدوین قرآن" میں آپ کی زندگی کے چالیس سال کا نچوڑ آگیا ہے، اس کے مطالعہ سے اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ خصوصاً تدوین قرآن کے متعلق اعتراضات کو جمع کر کے ان کے نہ صرف تسلی بخش جوابات دیئے بلکہ قرآن کریم کی تدوین اور جمع کو عہد بہ عہد ثابت بھی کیا۔

"تدوین قرآن" کے دیباچے میں مولانا گیلانیؒ رقم طراز ہیں:

"تقریباً تیس چالیس سال کے مسلسل فکر و تامل، تلاش و جستجو کے آخری نتائج اس کتاب میں درج ہیں، جن لوگوں نے قرآن کے جمع و ترتیب کی متعلقہ روایتوں کے بارے میں پڑھا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں، کتنے فاحش اغلاط و پیچ در پیچ مغالطوں کے پہاڑ کو کتنی آسانی کے ساتھ اڑا دیا گیا ہے، شکوک و شبہات کے سارے بادل پھاڑ دیے گئے ہیں، اور ناجائز نفع اٹھانے والوں کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی گئی ہے۔"[29]

تذکیر بسورۃ الکہف:

قرآن کریم کی تفسیری خدمات میں آپ کے مضامین "الفرقان لکھنؤ" ذی الحجہ 1328ھ سے لیکر جمادی الاخریٰ 1371ھ (اکتوبر 1949ء–مارچ 1952ء) تک "دجالی فتنہ اور سورۃ الکہف" کے عنوان سے شائع ہوتے رہے، آپ کی وفات کے بعد حیدر آباد دکن سے 1973ء میں یہ مکمل کتاب کی شکل میں شائع ہوئی، اور اس کا نام کتاب "تذکیر بسورۃ الکہف" رکھا گیا۔ اس میں آپ کے تفسیری نکات اور منفرد انداز بیان سامنے آتا ہے۔ سات ابواب پر مشتمل اس کتاب میں تشریحات سورۃ الکہف، دجالی فتنہ کے خد و خال، اس فتنے کا نظریہ ارتقاء اور اس کے حوالے سے قرآنی انباہات، اصحاب کہف کا قصہ اور اس کی تاریخی حیثیت، موسیٰ و خضر کا قصہ، ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کا واقعہ، دور حاضر کو دجالی فتنہ کی شکل و صورت اور اس کا سدباب ذکر کیا ہے۔[30]

حدیث:

تدوین حدیث:

" یہ مولانا کی وسعت نظر اور دقت فکر کا شاہکار ہے اور جیسا کہ ان کے مقالات کا عموماً انداز ہوتا ہے، معلومات کا ایک بحر مواج ہے، اس میں بھی مولانا نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس تاریخی ماحول اور طوفانی عہد کا نقشہ کھینچا ہے، جس میں حضرت شاہ ولی اللہ کی ولادت ہوئی اور جس میں آپ کی ابتدائی زندگی گزری۔ مولانا کی باریک بینی اور دقیقہ رسی کا بصیرت افروز منظر دیکھ کر اسلامی ہند کی تاریخ کا طالب علم حیران رہ جاتا ہے"[37]۔

مجدد الف ثانی:

حضرت مجدد الف ثانی کی حیات وسوانح پر الفرقان کے خصوصی نمبر 1357ھ مولانا کا یہ مقالہ "الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ" سامنے آیا۔ دارالاشاعت کراچی نے یہ نومبر 7، 1977ء میں اسے کتابی شکل میں شائع کیا۔

اس کتاب پر سید ابوالحسن علی ندوی کا تبصرہ ہے:

" آپ کا مضمون 'الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ'، مولانا کی بہترین و موثر ترین تحریروں میں سے ہے۔ اس مضمون سے بڑھ کر ان کی تجدیدی شان کو آشکار کرنے والا کوئی مقالہ نہیں ہے"[38]۔

خود نوشت:

احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن:

مولانا گیلانیؒ کی یہ بڑی دلچسپ ہے جس میں انہوں نے اپنی زندگی کے بعض گوشوں کو اور اپنے تجربات اور احوال کا ذکر کیا ہے، زمانہ طالب علمی کی رفاقتوں اور شرارتوں سے پردہ بڑے ادبی اور لطیف پیرائے میں اٹھاتے ہیں[39]۔

مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ:

اسلام میں مختلف فرقوں کی بنیاد، آغاز اور اقسام، اسلام اور تمدن وغیرہ جیسے عنوان پر تفصیلی مضامین 1925ء سے جنوری 1953ء تک ماہنامہ "رسالہ برہان" دہلی سے بارہ اقساط میں یہ منظر عام پر آئے، اس کے بعد اسے "ادارہ اسلامیات لاہور" سے مارچ 1976ء میں کتابی شکل میں شائع کیا۔ مرکزی مضمون کے ساتھ اسلام اور متمدن اقوام کے حوالے سے بھی اس کتاب میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔[40]

مقالات احسانی:

مولانا گیلانیؒ نے تصوف کے تمام پہلوؤں (حصول احسان، اطلاق تصوف، مجالس شیخین) وغیرہ کی تشریح اس کتاب میں کی ہے۔ نیز اس کتاب میں تصوف کی تاریخ، بیعت کی اقسام، اختلاف سلاسل، تصوف کے طریقے، سلوک تصوف وغیرہ سے مدلل بحث کی ہے۔ یہ کتاب مولانا کے چھ مقالات پر مشتمل ہے۔[41]

کائنات روحانی:

ماہنامہ "الرشید دیوبند" میں مولانا گیلانیؒ کا یہ مقالہ ذی القعدہ، ذی الحجہ 1334ھ اور صفر 1335ھ میں تین اقساط میں شائع ہوا، ادارہ دارالفکر کراچی نے اسے کتابی شکل دی، سے شائع ہوا۔ اس کتاب میں کائنات اور قرآن، قرآن اور اس کے اجمالی مضامین، قرآن اور روحانی غذا، قرآن پاک کی آیات میں ظاہری بے ربطی کی وجوہات، قرآن سے گمراہی، عصر حاضر میں مسلمانوں کی پستی و ذلت جیسے ابحاث پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔[42]

تاریخ، تعلیم و تعلّم:

"ہندستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت"

دو جلدوں پر مشتمل کتاب میں مولانا نے مسلمانوں کی نظام تعلیم اور اس نظام پر وارد ہونے والے تمام سوالات کے جوابات کو تفصیل سے ڈسکس کیا ہے، اس میں مولانا گیلانیؒ نے تجویز دی ہے کہ دو نظام تعلیم کے تصور کو مٹا کر ایک نظام کو رائج کرنا عصری ضرورت کا تقاضہ ہے، انہوں نے نظریہ وحدت نظام تعلیم کا مطالبہ بھی کیا ہے۔

مولاناؒ خود فرماتے ہیں:

" آج بھی کیا ممکن نہیں ہے کہ غیر دینی علوم کے اس حصہ کو نکال کر جسکے نظریات و مسائل مسترد ہو چکے ہیں، عصر جدید کے مقبولہ علوم اور عہد حاضر کی دفتری زبان کے نصاب کو قبول کر کے مذہب کی ان تین کتابوں کے معیار مطابق باقی رکھتے ہوئے، دینی اور دنیاوی تعلیم کے فرق کو ختم کر دیا جائے۔"

مولانا نے اس کتاب کو 1943ء میں حیدر آباد میں مکمل کیا اور 1944ء میں ندوۃ المصنفین نے دہلی سے اس کتاب کو شائع کیا۔[43]

برصغیر میں رائج نظام تعلیم کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:

" آخر میں اتنی بات جس پر اپنی کتاب 'نظام تعلیم و تربیت' میں میں نے کافی بحث کی ہے اور یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مسلمانان ہند کی تعلیم کے لیے ان دو مستقل تعلیمی نظاموں کو ختم کر کے ایک ہی نظام تعلیم اگر قائم نہ کیا گیا تو وہ علمی رقابت جو ان دونوں نظاموں سے استفادہ کرنے والے طبقات میں پیدا ہوگی، اس کی شدت میں اور اضافہ چلا جائے گا۔ آج تو اس کے نتائج چنداں محسوس نہیں ہو رہے لیکن خدانخواستہ بات اگر یوں ہی بڑھتی رہی تو کچھ بعید نہیں کہ مسلمانوں ہی میں مذہب اسلام کے دشمن اس لئے پیدا ہو جائیں کہ مذہب کے نمائندوں کی یہ نفرت خدانخواستہ خود مذہب سے نفرت کا ذریعہ بن جائے۔ میرا خیال ہے کہ ملّا اور مسٹر یا عالم اور تعلیم یافتہ تفریق کا جہاں تک جلد ممکن ہو خاتمہ کر دینا چاہیے اور نظام تعلیم کی وحدت کے سوا اس کا بظاہر کوئی دوسرا علاج کم از کم میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"[44]

ہزار سال پہلے:

مولانا گیلانیؒ نے اس کتاب میں برصغیر پاک و ہند کے ثقافتی تاثرات و مشاہدات، غیر اسلامی اور اسلامی تہذیبی، تمدنی کو جغرافیہ نویسوں اور سیاحوں کے مشاہدات کی روشنی میں ذکر کیا ہے۔ اشاعت اول انجمن ثمرۃ التربیت دیوبند سے مئی 1950ء میں ہوئی اور پاکستان میں اس کی اشاعت 1964ء میں نفیس اکیڈمی کراچی سے ہوئی۔ مولانا خود اس کتاب کے پس منظر کے بارے میں لکھتے ہیں:

" بعض تعلیمی ضرورتوں کے لیے مسلمان جغرافیہ نویسوں کی کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑا ان کتابوں میں بعض دلچسپ چیزیں نظر آئیں۔ وہ خود بھی دلچسپ تھیں اور قیل و قال کی مشق جو مدرسوں میں جو کرائی جاتی ہے اسی مشق کا شاید یہ نتیجہ ہے کہ مختلف نتائج کی طرف ان کو پڑھ کر دماغ منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔ بغیر کسی ترتیب کے بطور یادداشت کے ان معلومات کو بھی اور جن نتائج کی طرف اس معلومات سے ذہن منتقل ہوتا تھا دونوں کو خاکسار قلم بند کرتا چلا گیا۔"[45]

علوم وافکار اسلامی:

اسلامی معاشیات:

" اسلامی معاشیات" کے نام سے معنون یہ مقالہ ابتدا میں "رسالہ معارف اعظم گڑھ" 1943ء میں اپریل تا اکتوبر تک اور 1944ء میں اپریل تا دسمبر سولہ اقساط میں شائع ہوا تھا۔ مولانا گیلانیؒ نے اسلامی معاشیات اور اسلام کے معاشی نظام کو قرآنی آیات کی روشنی میں واضح کیا۔ "شیخ شوکت علی اینڈ سنز" نے کتابی شکل میں جنوری 1962ء میں اس کو شائع کیا۔ مولانا گیلانیؒ اس مقالہ پر تبصرہ درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

" شعبہ دینیات کے ایم۔اے کے ایک امیدوار (برادر عزیز مولوی محمد یوسف الدین) نے اپنے امتحانی مقالہ کا عنوان اسی مضمون کو مقرر کیا تھا۔ اور اُن کے اصرار سے خاکسار نے اُن کی اس مہم کی نگرانی کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس مضمون کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ میری یہی نگرانی بن گئی تھی۔"[46]

اسلام اور نظام جاگیرداری وزمین داری:

مولانا گیلانیؒ نے اسلام اور نظام جاگیرداری و زمین داری کے عنوان سے مختلف اہم ابحاث کو زیر بحث لایا ہے، جیسے زمین کے کرائے کی صورت میں اجرت کرایہ اور عشر کے احکام و مسائل، زرعی زمین کا مسئلہ وغیرہ۔ مولانا کی یہ کتاب "رسالہ معارف اعظم گڑھ" دسمبر ۱۹۵۲ء اور جنوری ۱۹۵۳ء کے دو شماروں میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر محمد یوسف نے عرصہ بعد اس مقالہ کے حوالہ جات کی تخریج، متن کی درستگی، تبویب اور ذیلی عنوانات کے تزئین اور اضافات کے ساتھ 1975ء میں لاہور سے شائع کیا۔[47]

مکاتیب گیلانیؒ:

مکتوب نگاری تمام مہذب زبانوں میں بلند ادبی مقام رکھتی ہے، اس کے ذریعہ مکتوب نگار اپنے احساسات اور جذبات کا اظہار کرتا ہے اور جو اس کے دل و خیال و فکر میں ہوا سے اپنے انداز میں بیان کرتا ہے، تاہم یہ لکھتے ہوئے اس کے ذہن میں یہ نہیں ہوتا کہ اس کے یہ خطوط کبھی شائع ہوں گے، اسی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ خطوط مددگار ثابت ہوتے ہیں کسی انسان کے افکار اور خیالات سے آگاہی کے حصول میں اور انسانی تخیلات و احساسات کا اظہار انہیں خطوط کے ذریعے ممکن ہے۔ اُردو میں مکتوب نگاری کی صنف میں بہت سے مجموعے منظر عام پر آئے ہیں، ان میں سے ایک مجموعہ مولانا گیلانیؒ کا بھی ہے جس کی ایک جلد دارالاشاعت رحمانی مونگیر (بہار) "مکاتیب گیلانی" کے نام سے 1972ء میں سے شائع ہوئی ہے۔

مولانا گیلانیؒ کے مکاتیب میں ان کی علمی کمالات، آراء، افکار، تنقیدی بصیرت اور آپکی ذاتی زندگی کے حالات وواقعات کے علاوہ قومی و ملکی حالات و معاملات پر ان کا تجزیاتی نقطۂ صاف نظر آتا ہے۔ اظہار رائے میں وہ چشم پوشی کے قائل نہیں تھے۔[48]

جمہور علماء اور مولانا گیلانیؒ کے درمیان اختلافی مسائل کا جائزہ

مولانا گیلانیؒ کی علمی تربیت اپنے وقت کے جید اساتذہ کی زیر نگرانی ہوئی، علوم دینیہ اور خصوصا قرآن و سنت پر دسترس رکھنے اور اجتہادی ذوق کے حامل مولانا اپنے اساتذہ کی خصوصیات کے حامل اپنے موقف کو بہترین انداز میں بیان کرنے، غور و فکر کے مالک، بلاخوف لومۃ لائم اپنے نقطہ نظر بیان کرنے والے ذی استعداد، زیرک انسان تھے۔ مولانا نہایت غور و فکر اور تدبر اور مسئلہ کی نوعیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کے بعد ہی کسی مسئلہ میں اپنا موقف بیان کرتے، اور اپنے موقف پر دلائل بھی ذکر کرتے، بہت سے مسائل میں وہ جمہور علماء سے جداگانہ رائے رکھتے ہیں، اور اپنے موقف پر دلائل کے ساتھ کھڑے رہے، البتہ اگر کسی معاملہ میں ان کو احساس ہوا کہ ان کے دلائل کمزور ہیں تو انہوں نے رجوع سے بھی گریز نہیں کیا، یہی اہل علم کی شان بھی ہے۔

ذیل میں ان مسائل کا ذکر ہے جن میں مولانا گیلانیؒ اپنے ہم عصر مخالف علماء کرام کی رائے کا احترام کے ساتھ اختلاف رکھتے ہیں۔

کیا صاحب ایمان کو جہنم کا عذاب نہیں؟

جمہور علمائے کرام کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حالت ایمان میں فوت ہوا اور اس سے کچھ لغزشیں سرزد ہوئی ہوں خواہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ، اور موت سے پہلے اس نے توبہ نہ کی ہو تو قانون یہ ہے ایسا شخص اپنے اعمال کی سزا پا سکتا ہے، چنانچہ اس ضمن میں قرآن کریم کی درج ذیل آیات بطور دلیل پیش کی جاتی ہیں:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا"[49]

یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کو معاف نہیں کرتے، اور اس کے علاوہ جسے چاہے جو معاف کر دیں، اور جس شخص نے شرک کیا اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ گھڑا ہے۔"

آیت مذکورہ سے واضح ہوا کہ جو بندہ حالت شرک میں مر گیا تو اس کی معافی نہیں، البتہ شرک سے کم درجے کے گناہ پر سزا کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے جوڑ دیا، علماء کے مطابق اس سے واضح ہوا کہ گناہوں پر سزا ہے، اسی وجہ سے قانون یہی رکھا کہ

SCRR

سزا مل سکتی ہے، تاہم اس سزا کا اختیار باری تعالیٰ کے پاس ہے، چاہے تو وہ اپنے لطف و کرم سے معاف کرے، اور چاہے تو قانون کے مطابق سزا دے۔ اسی امر کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر مزید واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا"[50]

اللہ تعالیٰ معاف کرتے ہیں جس کو چاہے اور عذاب میں ڈالے جس کو چاہے اور ہے اللہ بخشنے والے نہایت مہربان ہیں۔"

آیت بالا کے مطابق اللہ تعالیٰ گناہوں کی بدولت عذاب دینے کا اختیار رکھتے ہیں اور جسے وہ چاہے معاف کر دیں۔

اس کے علاوہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اس امر کی وضاحت ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کی جزا پائے گا، اگر نیک اعمال ہیں تو اس کو اس کا اجر اور بدلہ ملے گا، اور اگر برے اعمال اور گناہ کیے ہوں تو اس کی جزا اور سزا بھی دیکھ اور چکھ لے گا، اس بارے میں ذیل کی آیت ملاحظہ ہو:

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ"[51]

سو جس نے ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اُسے، اور جس نے ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا اُسے۔

قرآن کریم کے ایک اور مقام میں اس مسئلہ کو کچھ یوں واضح کیا گیا ہے:

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ"[52]

تو کیا جو ایمان والا ہے وہ اس جیسا ہو جائے گا جو نافرمان ہے؟ یہ برابر نہیں ہیں۔"

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مومن اور فاسق دونوں برابر نہیں، مومن کے لیے اللہ نے جنت بنائی ہے، جبکہ فاسق اپنے گناہوں کی سزا پانے کے لیے جہنم میں جائے گا، البتہ فاسق کا دخول جہنم ابدی اور دائمی نہیں ہو گا، یہ فقط گناہوں کی سزا کے برابر ہو گا، اور اپنی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا، اس آیت مبارکہ فسق سے مراد جمہور فسق عملی لیتے ہیں، یعنی اعمال کی کمی کوتاہی جس میں پائی جائے۔

مولانا گیلانیؒ کا موقف:

مولانا گیلانی کے مطابق جو بندہ صاحب ایمان ہو اور ایمان کی حالت میں اسے موت آجائے تو ایسا شخص جہنم میں داخل نہیں ہو گا، چاہے وہ کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو۔ ایسا کوئی بھی عمل جو قرآن و سنت کے خلاف جو جہنم میں دخول کا سبب ہو، ایک مسلمان شخص کا ان گناہوں کی بدولت جہنم میں جانا امر محال ہے۔

اپنے موقف پر مولانا گیلانیؒ دلائل دیتے ہوئے قرآن کریم کی درج ذیل آیت پیش کرتے ہیں:

فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ"[53]

لہذا میں نے تم لوگوں کو بھڑکتی ہوئی آگ کے بارے میں خبردار کیا، اس آگ میں وہی بدبخت داخل ہو گا جس نے (پیغمبروں) کی تکذیب کی اور (دین) سے اعراض کیا۔"

مذکورہ بالا آیات سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ جہنم میں صرف وہی شخص ہی داخل ہو گا جس میں تکذیب اور اعراض کے دو وصف موجود ہوں، اور اعراض اور تکذیب قرآن آیات کی اصطلاح میں اس شخص کے لیے استعمال ہوتے ہیں جو کفر و شرک میں پڑا ہو، یہ اوصاف کسی مسلمان کے بارے میں مستعمل نہیں جو گناہوں میں مبتلا ہو، چونکہ آیت کریمہ میں پہلے دخول جہنم سے مطلقاً نفی کی گئی اور اس کے بعد اثبات کیا گیا ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ اس سے حصر مقصود ہوتا ہے، اگر کافر مکذب اور معرض جہنم میں داخل ہو، اور مسلمان غیر مکذب اور غیر معرض بھی جہنم میں داخل ہو تو آیت میں مذکور حصر کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

دارالکفر میں غیر شرعی چیزوں کے لین دین کا حکم:

یہ مسئلہ سابقہ مسئلہ کے ضمن میں ہے، جو دلائل سابقہ مسئلہ میں ہیں اور جو سابقہ مسئلہ میں جواز کے قائل ہیں وہ اس مسئلہ میں بھی جواز کے قائل ہیں، اور جن حضرات کے نہیں دارالحرب میں سود کی ممانعت ہے ان کا اس مسئلہ میں بھی یہی موقف ہے کہ دارالحرب میں بھی یہ معاملات جائز نہیں، چنانچہ امام محمدؒ ان ائمہ میں ہیں جو جواز کے قائل ہیں، سو وہ "السیر الکبیر" میں لکھتے ہیں: "غیر اسلامی ملک میں شراب لے کر روپیہ کا لین دین اس لیے قانونی تھا کہ اس میں دونوں کی رضامندی شامل ہے۔ جس میں مسلمان نے نہ تو کوئی دھوکہ دیا ہے اور نہ ہی ریاست کے کسی قانون کو توڑ کر عہد شکنی کا مرتکب ہوا ہے"۔[54]

اسی کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا گیلانیؒ دارالحرب میں شراب اور دیگر اشیاء محرمہ جیسے خنزیر وغیرہ کی خرید و فروخت کے جواز کے قائل تھے، مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں: "بتایا جائے کہ اس مال کے مالک ہونے اور اس میں تصرف کرنے سے اب اس مسلمان کو کون سی چیز روک سکتی ہے؟ دو ہی چیزیں روکنے والی ہو سکتی ہیں۔ مال کا معصوم ہونا سو وہ بھی نہیں ہے۔ معاہدہ کی خلاف ورزی یعنی غدر کے جرم کا ارتکاب آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں اس کا بھی کوئی شائبہ نہیں ہے پس یہی امام ابو حنیفہؒ کا فتویٰ ہے۔ ایسی صورت میں اس مسلمان کو مالک قرار نہ دینے کا کوئی وجہ نہیں ہو سکتی ہے بلکہ ایک مباح مال پر بغیر کسی فریب اور غدر کے چونکہ اس کا قبضہ ہو گیا ہے اور اس قسم کا قبضہ مسلمان کو مال مباح کا چونکہ مالک بنا دیتا ہے اس لیے وہ اس کا مالک ہو گیا"۔[55]

ان دلائل کی روشنی میں مولانا کے مطابق جو مسلمان کسی غیر اسلامی ملک میں رہ رہا ہو اور وہاں کے آئین کا پابند ہو تو اس کے لیے غیر مسلم سے سود لینا جائز ہو گا، کیونکہ مسلمان جو لے رہا ہے وہ سود نہیں بلکہ مال ہے اور غیر مسلم سے مال لینا مباح ہے۔ جیسا کے ماقبل بیان ہوا امام محمدؒ کے وہ قول جو "السیر الکبیر" میں اور امام ابو حنیفہؒ کا قول ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "باعھم میتۃ او اخذ مالھم بطرق القمار فذٰلک کلہ طیب لہ"[56]

غیر مسلم کے ہاتھ مردار کو فروخت کرے یا جوئے کے ذریعہ اس کا مال لے تو یہ سب اس کے لیے پاک ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں:

"حین اخذ المال فانما اخذ المباح علی وجہ منعہ من الغذر فیکون ذٰلک طیبا لہ"[57]

مسلمان نے جس وقت اس مال کو اس طور پر لیا کہ وہ ایک مباح اور جائز مال ہے اور وہ اس مال کو اس طرح ہو کہ وہ عہد شکنی کے منافی نہیں ہے اور ایسا مال حربی مسلمان کے لیے پاک ہے۔ اور حضرت مکحولؒ کا ایک حدیث جو فتح القدیر میں ذکر ہوا ہے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"لا ربٰوا بین العبد والمولٰی"

آقا اور غلام کے درمیان ربٰو یعنی سود نہیں۔ اور پھر فقہاء کرام کے یہ الفاظ بیان کرتے ہیں کہ اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ دارالحرب میں سود لینا نہیں ہے بلکہ ایک مباح کام ہے اور صاحب فتح القدیر کے درج ذیل قول سے استدلال کرتے ہیں:

"لا ربٰوا بین المسلم و الحربی فی دارالحرب"[58]

"مسلم اور حربی کے درمیان دارالحرب میں سود نہیں ہوتا۔" مولانا گیلانیؒ نے 1929ء میں "سود و قرض کی مزید تشریح" کے عنوان سے مستقل مضامین لکھنا شروع کیے، مولانا عبد الباریؒ نے "جدید معاشیات" عنوان کے نام سے لکھی گئی کتاب میں مولانا گیلانیؒ کی رائے کو درج ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے: "میں نے جن جذبات اور ہیجانات سے مجبور ہو کر اس مضمون کو لکھا تھا اس سے خدائے خبیر و بصیر خوب واقف ہے۔ ماسوا اس کے اس مسئلہ کی بنیاد جن مقدمات پر ہے وہ کل دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہندوستان دارالکفر ہے اور دارالکفر میں عقود فاسد فی الاسلام کے ذریعہ سے اموال غیر معصومہ کا لینا مباح ہے"۔[59]

خاتمہ

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی علمی و فکری خدمات برصغیر پاک و ہند کی اسلامی تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ آپ نے قرآن، حدیث، سیرت اور دیگر اسلامی علوم پر گہری تحقیق کر کے نہ صرف جدید تعلیم یافتہ طبقے کو متاثر کیا بلکہ روایتی علماء کے ساتھ ہم آہنگی اور اختلافات کے باوجود اپنے منفرد نظریات کو مدلل انداز میں پیش کیا۔ آپ کی تحریریں نہ صرف علمی گہرائی کا نمونہ ہیں بلکہ ان میں فکری بلندی، تنقیدی بصیرت اور عصری تقاضوں کا ادراک بھی واضح نظر آتا ہے۔ آپ کے کاموں کی وسعت اور تنوع نے اسلامی علوم کو جدید دور کے چیلنجز سے ہم آہنگ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مولانا گیلانیؒ کی تصانیف جیسے "تدوین قرآن"، "تدوین حدیث" اور "النبی الخاتم" آج بھی محققین کے لیے مشعل راہ ہیں۔

مولانا گیلانیؒ کا فکری منہج روایت اور جدت کے درمیان ایک متوازن رشتہ قائم کرتا ہے۔ آپ نے جمہور علماء کے موقف کے ساتھ ساتھ اپنے اجتہادی نظریات کو بھی بڑی جرأت سے پیش کیا، جیسے کہ صاحب ایمان کے جہنم میں عذاب نہ پانے کا مسئلہ یا دارالکفر میں غیر شرعی معاملات کی اجازت۔ ان کے دلائل قرآن و سنت کی گہری تفہیم پر مبنی تھے اور انہوں نے ہمیشہ علمی دیانت داری کو ترجیح دی۔ آپ کی تحریریں نہ صرف علمی استدلال سے پر ہیں بلکہ ان میں ادبی شائستگی اور بیان کی روانی بھی پائی جاتی ہے، جو قارئین کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ مولانا گیلانیؒ کی فکر میں وسعت، گہرائی اور توازن نے انہیں بیسویں صدی کے ممتاز اسلامی اسکالرز میں نمایاں مقام دلایا۔ مولانا گیلانیؒ کی علمی میراث صرف کتابوں تک محدود نہیں، بلکہ انہوں نے ایک ایسے مکتب فکر کی بنیاد رکھی جو روایت اور جدت کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ آپ کے افکار نے نہ صرف برصغیر بلکہ عالمی سطح پر اسلامی علوم کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ آج بھی ان کی تصانیف اور تحقیقات جدید مسائل کے حل کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ مولانا گیلانیؒ کی شخصیت علم و عمل، تقویٰ اور جرأت کا مرقع تھی، جس نے انہیں ایک مثالی اسکالر اور مصلح کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ ان کی کاوشیں اسلامی فکر کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ایک کامیاب

حوالہ جات

1. سعاد عباس بنت محمد عباس، ''مولانا مناظر احسن گیلانی کا منہج تقابل ادیان اور نقطۂ نظر'' (اسلام آباد: نمل یونیورسٹی، غیر مطبوعہ ایم فل مقالہ، 2020)، ص5۔
2. محمد عبد اللہ، ''مولانا شبلی نعمانی اور مناظر احسن گیلانیؒ کی سوانح نگاری کا تقابلی جائزہ'' (ملتان: بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، غیر مطبوعہ ایم فل مقالہ، 2021)، ص8۔
3. ظہور عالم، ''مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے افکار اور دینی خدمات'' (نیریاں شریف: محی الدین اسلامی یونیورسٹی، غیر مطبوعہ پی ایچ ڈی مقالہ، 2019)، ص12۔
4. حنا نسیم، ''مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے تفسیری نکات (مطالعہ سورۃ کہف)'' (لاہور: شیخ زید اسلامک سنٹر، غیر مطبوعہ ایم فل مقالہ، 2022)، ص3۔
5. امان اللہ راٹھور، ''علوم اسلامیہ کی تشکیل جدید میں مولانا مناظر احسن گیلانی کا کردار'' (لاہور: جامعہ پنجاب، غیر مطبوعہ ایم فل مقالہ، 2018)، ص9۔
6. مناظر احسن گیلانی، سوانح عمری (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، 1985)، ص15۔
7. سعاد عباس بنت محمد عباس، ''مولانا مناظر احسن گیلانی کا منہج تقابل ادیان اور نقطۂ نظر'' (اسلام آباد: نمل یونیورسٹی، غیر مطبوعہ ایم فل مقالہ، 2020)، ص 5۔
8. محمد عبد اللہ، ''مولانا شبلی نعمانی اور مناظر احسن گیلانیؒ کی سوانح نگاری کا تقابلی جائزہ'' (ملتان: بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، غیر مطبوعہ ایم فل مقالہ، 2021)، ص 8۔
9. ظہور عالم، ''مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے افکار اور دینی خدمات'' (نیریاں شریف: محی الدین اسلامی یونیورسٹی، غیر مطبوعہ پی ایچ ڈی مقالہ، 2019)، ص 12۔

10. حنا نسیم، "مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے تفسیری نکات (مطالعہ سورۃ کہف)" (لاہور: شیخ زید اسلامک سنٹر، غیر مطبوعہ ایم فل مقالہ، 2022)، ص 3۔
11. امان اللہ راٹھور، "علوم اسلامیہ کی تشکیل جدید میں مولانا مناظر احسن گیلانی کا کردار" (لاہور: جامعہ پنجاب، غیر مطبوعہ ایم فل مقالہ، 2018)، ص 9۔
12. مناظر احسن گیلانی، سوانح عمری (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، 1985)، ص 15۔
13. عبدالباری، مولانا. یادگار ایام. حیدرآباد: مکتبہ جامعہ عثمانیہ، 1992. ص65.
14. ندوی، سید ابو الحسن علی. کاروانِ زندگی. جلد 3. لکھنؤ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، 2001. ص112.
15. ایضاً، ص113.
16. گیلانی، مناظر احسن. وفا شعاری کے دو نادر نمونے. لاہور: مکتبہ قاسم العلوم، 1985. ص29.
17. عبدالباری، یادگار ایام، ص67.
18. ایضاً، ص68.
19. ندوی، کاروانِ زندگی، ج3، ص114.
20. ایضاً، ص115.
21. ایضاً، ص116.
22. گیلانی، وفا شعاری کے دو نادر نمونے، ص35.
23. ایضاً، ص42.
24. ندوی، کاروانِ زندگی، ج3، ص118.
25. ایضاً، ص120.
26. گیلانی، وفا شعاری کے دو نادر نمونے، ص50
27. مناظر احسن گیلانی، تدوین قرآن (کراچی: مجلس علمی، 1956)، ص 5۔
28. مناظر احسن گیلانی، تدوین قرآن، ص 10۔
29. مناظر احسن گیلانی، تذکیر بسورۃ الکہف (حیدرآباد دکن: ادارہ اشاعت علوم اسلامی، 1973)، ص 15۔
30. سید سلیمان ندوی، مقدمہ، تدوین حدیث (کراچی: مجلس علمی، 1956)، ص 1۔
31. عبدالمجید قریشی, النبی الخاتم ﷺ (حیدرآباد:1941), 23.
32. ابوالحسن علی ندوی, النبی الخاتم ﷺ in مولانا گیلانی کی سیرت پر نگاہ (حیدرآباد:1941), 45-46.
33. مولانا گیلانی, سوانح ابوذر غفاری (کراچی: نفیس اکیڈمی,1945), 12.
34. مولانا گیلانی, امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی (کراچی: نفیس اکیڈمی,1930), 89.
35. مولانا گیلانی, سوانح قاسمی (کراچی: نفیس اکیڈمی,1950), 58.
36. مولانا گیلانی, تذکرہ شاہ ولی اللہ (کراچی: نفیس اکیڈمی,1947), 102.
37. مولانا گیلانی, مجدد الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ (کراچی: نفیس اکیڈمی,1977), 33.
38. مولانا گیلانی, احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن (کراچی: نفیس اکیڈمی,1955), 121.
39. مولانا گیلانی, تدوین فقہ (لاہور: مکتبہ رشید,1976), 55.
40. مولانا گیلانی, الدین القیم (بریلی: الفرقان,1944), 24.
41. مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ, رسالۃ برہان,1925-1953.
42. مقالات احسانی, ادارہ اسلامیات,1976.
43. کائنات روحانی, دارالفکر کراچی,1334-1335ھ.
44. ہندستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت, ندوۃ المصنفین,1944.
45. ہزار سال پہلے, انجمن ثمرۃ التربیت دیوبند,1950.
46. اسلامی معاشیات, شیخ شوکت علی اینڈ سنز,1962.
47. اسلام اور نظام جاگیرداری وزمینداری, رسالہ معارف اعظم گڑھ,1952-1953.
48. مکاتیب گیلانیؒ, دارالاشاعت رحمانی مونگیر (بہار),1972.
49. سورۃ النساء، آیت48.
50. سورۃ النساء، آیت115.
51. سورۃ الزلزلۃ، آیت7-8.
52. سورۃ السجدۃ، آیت18.
53. سورۃ المدثر، آیت26-28
54. امام محمدؒ، "السیر الکبیر"
55. مولانا گیلانیؒ، "سود و قرض کی مزید تشریح"
56. امام ابو حنیفہؒ، "الفقہ الاکبر"
57. مولانا عبد الباریؒ، "جدید معاشیات"
58. امام ابو یوسفؒ، "الکتاب الکبیر"
59. امام محمدؒ، "المبسوط"

SCRR